فلسفۂ بکاء

آیت اللہ مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ، پرنسپل ناظمیہ عربی کالج لکھنؤ

خدا کے حکم میں اصلاح کی مجال نہیں
سوائے گریہ کوئی زیست کا مآل نہیں

من بکیٰ او تباکیٰ وجبت له الجنة۔ یہ آغوش صاحب وحی کے پروردہ معصوم کا کلام ہے۔ جس کے مانند ایسی حدیثیں کتب احادیث میں بیشمار ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان رسالت کو مصائب سید الشہداؑ پر رونے اور رلانے کا بہت اہتمام تھا۔ بعد حضرت رسالتمآب وحی کا سلسلہ اگرچہ منقطع ہوگیا تھا لیکن آنحضرت اپنے جانشینوں کو رموز شریعت سے مطلع فرما گئے تھے۔ یہ حضرات وہی فرماتے تھے جو حکم خدا و رسول ہوتا تھا۔ ثواب گریہ کے متعلق جو کچھ بھی ان حضرات نے فرمایا تھا وہ خدا و رسول کا فرمان تھا۔

خدائی احکام میں کسی کو گھٹانے اور بڑھانے کی اجازت نہ تھی۔ اس کے بعد یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ ہم کو حکم امام کی پابندی کرنا لازم ہے اور اس حکم کے فوائد کی ذمہ دار خود ذات اقدس الٰہی ہے۔ ہم مریضوں کے علاج مرض کے لئے جو نسخہ حکیم مطلق کی جانب سے تجویز کیا ہوا طبیب روحانی کے ذریعہ سے ملا ہے۔ بے کمی و بیشی کئے ہوئے، بے اس بات کو سمجھے ہوئے کہ یہ کس مرض کی دوا ہے اور اس کے فائدے کیا کیا ہیں استعمال کرلینا چاہئے اور کسی قسم کی ترمیم کرنا ہمارے حق میں مضرت رساں ہوگا۔

جس طرح طبیب جسمانی تشخیص مرض کے بعد نسخہ لکھ دیتا ہے اور وہ اس کے مصلح ہونے کا ضامن ہوتا ہے اور مریض کو ان دواؤں کے خواص و آثار معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ اپنی طرف سے ترکیب استعمال میں کسی تغیر کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح گریۂ حسینؑ کا نسخہ خدا کی جانب سے بتایا ہوا اسی طرح استعمال کرنا چاہئے جس طرح طبیب روحانی نے بتایا ہے۔ بلکہ طبیب جسمانی سے خطا ممکن ہے۔ وہ تشخیص مرض میں غلطی بھی کرسکتا ہے۔ طبیب روحانی کی طرف غلطی کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔

یہ ہماری جہالت ہے اور نادانی ہے کہ بکائے حسینؑ میں اپنی ناقص عقلوں کے موافق ترمیم و تنسیخ کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ محض رونا امام حسینؑ پر مفید نہیں بلکہ اس سے اور فائدے حاصل کرنا چاہئے۔

ایسے خیال والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم سے محض رونا ہی چاہا گیا ہے اور یہ رونا تمام ان فوائد کا حامل ہے جو حقیقتاً فائدے کہے جاسکتے ہیں۔

حضرات معصومینؑ کا انعقاد مجلس میں اہتمام کرنا، سامعین و ذاکرین کی عزت افزائی فرمانا، امام کا صفوف نعال میں بیٹھ کر سامعین کی کفش برداری فرمانا، کسی مادی محبت کا مقتضیٰ نہ تھا بلکہ موافق حکم خدا قدر و منزلت حضرت سید الشہداؑ کا خلق پر سکہ جمانا تھا۔ جس میں تمام ترقیات انسانی مضمر ہیں۔

یہ دریائے اشک کی برکت تھی جس کی رو میں یہ مذہب حق یہاں تک آیا اور ابھی تک زندہ ہے ورنہ جو جگر سوز مظالم اہل حق پر گزر گئے ہیں اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ تمام روئے زمین پر ایک شیعہ بھی نہ آتا یہ چودہویں صدی کے خصوصیات میں سے ہے کہ گریہ کو بیکار سمجھتے ہیں۔ اور اپنی ناقص عقلوں سے روحانی نسخوں

میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

معصومینؑ کے قول وعمل پر چلنے والے ملت گریہ کن سے پکارے جاتے ہیں چالیس برس امام زین العابدینؑ نے دریائے اشک آنکھوں سے بہا کر جس باغ ہدایت کو سینچا تھا اسے یہ کہہ کر کہ جنت اتنی سستی نہیں ہے کہ ایک قطرۂ اشک کے عوض میں مل جائے اس باغ عمل کو پائمال کرنا چاہتے ہیں۔

انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جنت سستی نہیں ہے مگر وہ درِ اشک قیمتی ہے جو اس مظلوم پر بہایا جائے جس نے راہ خدا میں اپنا سارا گھر بار لٹا دیا۔ رو لینا البتہ آسان ہے لیکن معرفت کے ساتھ رونا مشکل ہے اور جنت اسی اشک کے عوض میں ملتی ہے جو خلوص محبت کے ساتھ آنکھوں سے نکلے۔ خلوص وعدم خلوص کا اندازہ یوں ہوسکتا ہے کہ مصائب حسینؑ بیان کرنے والے ذاکرین میں اچھا برا پڑھنے والے کا امتیاز کیا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خوش بیان ذاکرین کے پڑھنے میں زیر منبر بہت بڑا مجمع ہوتا ہے۔ ان کو مال کثیر دیا جاتا ہے اور چھوٹے موٹے ذاکر نہ تو بڑے بڑے صلوں کے مستحق ہوتے ہیں اور نہ ان کی مجلسوں میں شوق سے لوگ سننے جاتے ہیں۔ اگر دریائے محبت حسینی جوش زن ہوتا تو یہ امتیاز روا نہ رکھا جاتا جو نام حسینؑ لیتا اس کا بیان شوق سے سنا جاتا اور جو امکان ہوتا اس سے ذاکر حسینؑ کی خدمت کی جاتی۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب ایک پکارنے والے کی آواز سنی **سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح** تو یہ فرمایا کہ اے میرے محبوب کے پکارنے والے تجھے میں نے اپنا آدھا مال دے دیا۔ دوسری مرتبہ بقیہ مال بھی دے دیا۔ یہ تھا جذبۂ محبت جو بڑی مشکل سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کے عوض میں جنت دی جاتی ہے۔

اگر خلوص ہوتا تو پھر حسینؑ کا نام لینے والا جذبات میں ڈوب کے آپ کا تذکرہ کرتا، اپنی کامیابی ناکامیابی کی مطلق پرواہ نہ کرتا اور سامع کسی خوش بیان اور ژولیدہ کلام کے درمیان فرق نہ کرتا ایک ہی شوق سے دونوں کو سنتا۔

اب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سامعین اپنے جذبۂ خلوص محبت سے مجلس نہیں سنتے بلکہ ذاکرین کاملین کے بیان میں بھی وہ ہے جو ان کو اپنی طرف کھینچے لیجاتا ہے۔ شعراء مرثیہ گو کے بہترین کلام میں بھی یہ جذبہ جذب تھا لیکن ان کی سیف وفرس، گل وبلبل، کی تعریف گرمی وسردی کے تذکرے یہ سب بیشک شوق سے سنے جاتے تھے۔ اور ہزاروں آدمی مجمع کر کے ان کے کلام سنتے تھے۔ مگر یہ سب طریقے جذبہ محبت کو ابھارتے تھے اور اسی لئے شوق سے ان کا کلام سنتے تھے۔ مگر یہ سب طریقے جذبۂ محبت کو ابھارتے تھے اور اسی لئے شوق سے ان کا کلام سنا جاتا تھا تاکہ گریہ میں زیادتی ہو۔ اور اب سامع کی نظر نقد وتبصرہ پر ہوتی ہے، اچھا برا دیکھا جاتا ہے۔ اپنی عزت، اپنا نام، باہمی رواسم کا قائم رکھنا، یہ اغراض کارفرما ہوتے جاتے ہیں۔

بہت بڑا فرق ہے اس میں کہ ان اغراض کے حاصل کرنے کے لئے مجلس حسینؑ برپا کی جائے اور گریہ ہو اور اس میں کہ صرف گریۂ حسینؑ کے لئے مجلس برپا کی جائے اور یہ اغراض خود بخود حاصل ہوجائیں۔ بخوف طوالت اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے ورنہ ابھی بہت کچھ کہنا تھا۔

(ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر ۶۴ ۱۳۶۳ھ، ص ۵۵)

(صفحہ ۵۰ کا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

جس قوم کے سامنے کربلا اور کربلا کے بعد کی عظیم قربانیوں کے نمونے موجود ہوں، اس کے نہ تو احساسات کبھی مردہ ہوسکتے ہیں، اور نہ وہ خواب غفلت میں پڑسکتی ہے، ضرورت صرف اس کی ہے کہ اس کے سامنے تاریخ کے یہ خونچکاں اوراق، اور اس کے پیشواؤں اور بزرگوں کی قربانیوں کے تذکرے برابر پیش ہوتے رہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر ہم مجالس عزا برپا کرتے ہیں اور عزائے مظلومؑ کربلا کو اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں۔

(سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن، لکھنؤ نمبر ۵۴۰ محرم ۱۳۸۸ھ)